ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

قمر علی عباسی کی سفر نامہ نگاری

TRAVELOGUE WRITING OF QAMAR ALI ABBASI

ڈاکٹر قمر عباس

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج، بھکر

Email: *itinformations@gmail.com*

دعا قمر

ایم فل سکالر، شعبہ اُردو، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، ڈیرہ اسمٰعیل خان

Email: *duaqamarbkr@gmail.com*

Dr. Qamar Abbas

Associate Professor, Department of Urdu, Govt. Graduate College, Bhakkar

Email: itinformations@gmail.com

Dua Qamar

M.Phil Scholar, Department of Urdu, Qurtuba University, Dera Ismail Khan

Email: duaqamarbkr@gmail.com

:Abstract

Qamar Ali Abbasi is an important travelogue writer in Urdu. He has written 32 travelogues. He traveled to many countries around the world and documented his observations and impressions in his travelogues. A notable feature of his travel writing is his lively style of expression. He finds humor in everything. During his travels, he introduced his hosts and friends thoroughly and described the interesting moments spent with them in his travelogues. He viewed the world purely from the perspective of a tourist. His travelogues also provide information about the regions he visited, but the way he presents this information is captivating. He holds a distinguished position in Urdu travel writing.

Keywords: Qamar Ali Abbasi, Urdu Safarnama, Urdu Travelogue, Urdu Adab, Travelogue, Literature, Information, humor

قمر علی عباسی اُردو کے صفِ اول کے سفر نامہ نگار ہیں۔ انہوں نے 32 سفر نامے لکھے۔ نہ صرف تعداد بلکہ معیار کے حوالے سے بھی وہ سفر نامہ نگاری کی محفل میں ممتاز مقام پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے اُن کی خدمات کا اعتراف کئی بار کیا گیا۔ انہیں تمغہ امتیاز جیسا اعلیٰ قومی ایوارڈ ملا۔ اس کے علاوہ وہ رائٹرز گلڈ کے اعزاز کے چار بار حقدار ٹھہرے۔ اے پی این ایس ایوارڈ اور کئی دیگر ایوارڈز انہوں نے اپنے نام کیے۔ اُن کے چند اہم سفر ناموں کے نام یہ ہیں: "شام تجھے سلام"، "ساحلوں کا سفر"، "کینیڈا انتظار میں ہے"، "میکسیکو کے میلے میں"، "چلا مسافر سنگاپور"، "ماریشس میں دھنک"، "اور دیوار گر گئی"، "لنکا ڈھائے"، "عمان کے مہمان"، "ہندوستان ہمارا ہے"، "ذکر جل پری کا"، "سات ستارے صحرا میں"، "صحرا میں شام"، "لندن لندن"، "واہ برطانیہ"، "ایک بار چلو وینس"، "نیل کے ساحل"۔

قمر علی عباسی کے حوالے سے ایک اہم بات یہ ہے کہ اُن کی بیوی مشہور ٹیلی ویژن اداکارہ نیلوفر عباسی ہیں جنہوں نے شہزوری جیسے ناقابل فراموش کردار ادا کیے۔ ایک دلچسپ اور اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہر سفر نامے کا انتساب اپنی بیگم کے نام کرتے ہوئے یہ شعر درج کیا ہے:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

"میرے ہر سفر کی منزل
میرے ہر نفس کی ساتھی
نیلوفر عباسی"

ایک ٹی وی انٹرویو میں نیلوفر عباسی بتاتی ہیں کہ وہ ہر سفر میں اپنے میاں کے ساتھ ہوتی تھیں لیکن انہیں روک رکھا تھا کہ وہ کہیں بھی ان کا ذکر شامل نہیں کریں گے۔

ابتدا میں سفر نامہ ایک معلوماتی کتاب کا درجہ رکھتا تھا جس میں زیرِ سفر علاقوں کی معلومات کی بھرمار کر دی جاتی تھی۔ سفر نامے کا مقصد ہی یہی سمجھا جاتا تھا کہ قارئین کو اُن علاقوں کے بارے میں معلومات فراہم کی جاسکیں اور دوسرا اُن کی سفری رہنمائی ہو سکے۔ چنانچہ یوسف خان کمبل پوش کے سفر نامے "عجائباتِ فرنگ" سے لے کر کافی عرصے تک سفر ناموں میں یہی رجحان غالب رہا۔ اس کے بعد سفر نامہ نگاروں نے یہ جانا کہ سفر نامہ صرف معلوماتی کتاب نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذریعے قارئین کو اَن دیکھے علاقوں کی سیر کرائی جاسکتی ہے۔ اس کے لیے اسلوبِ بیان بھی ایسا ہونا چاہیے جو دلچسپ اور پُر لطف ہو تاکہ قارئین اس میں سیر کا مزہ محسوس کریں۔ سفر کرتے ہوئے ایک سیاح معلومات بھی حاصل کرتا ہے اور ساتھ ہی خوبصورت مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ اس وقت اس کا ذہن ہر قسم کی فکر سے آزاد ہو کر ایک عجیب قسم کی ترنگ میں ہوتا ہے۔ یہی رنگ سفر نامے کا بھی ہونا چاہیے کہ وہ قاری کو معلومات بھی دے اور ساتھ ہی خوبصورت مناظر بھی دکھائے۔ اس کے علاوہ وہ خوبصورت اور شگفتہ اسلوب کے ذریعے اُس کی دلچسپی کا انتظام بھی کرے۔ چنانچہ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اُردو کے بہت سے سفر نامہ نگاروں نے اپنے سفر ناموں میں شگفتگی کو رواج دیا۔ بعض کے ہاں تو باقاعدہ مزاح کی صورت پیدا ہو گئی، جیسے ابنِ انشا۔ اور بعض کے ہاں ایک خوبصورت شگفتہ نثری اسلوب نے رواج پایا جیسے مستنصر حسین تارڑ، علی سفیان آفاقی، بیگم اختر ریاض الدین۔ قمر علی عباسی بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی نثر کے اندر ایک چاشنی ہے لیکن ان کا انداز سب سے جدا اور منفرد ہے۔ ذیل میں اُن کے چند سفر ناموں کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے جس کے ذریعے مجموعی طور پر اُن کی سفر نامہ نگاری کے اندازِ بیان کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور اُن کی سفر نامہ نگاری کی تفہیم ممکن ہو سکے گی۔

"اور دیوار گر گئی" قمر علی عباسی کا جرمنی کا سفر نامہ ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے سفر نامے کا آغاز تعارفی انداز میں کرتے ہیں جس میں اپنے سفر کا جواز اور مقصد بیان کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ان کے ہم سفر کا حوالہ ملتا ہے۔ لیکن ان کا یہ تعارفی حصہ ان کے مجموعی رنگ کی طرح اپنے اندر شگفتگی اور لطافت لیے ہوئے ہوتا ہے۔ اس سفر نامے میں وہ ابتدا میں بیان کرتے ہیں کہ جرمنی جانے کی خواہش 1969 سے اُن کے دل میں تھی۔ یہ خواہش ایک طویل عرصے تک پروان چڑھتی رہی اور آخر کار 2002 میں ان کے دوست سید قیصر زیدی کے ذریعے پوری ہوئی۔

> "اگست 2002 میں ہمارے عزیز سید قیصر زیدی فرینک فرٹ سے نیویارک آئے۔ ہم انہیں لینے ائرپورٹ گئے۔ راستے میں وہ فرینک فرٹ کی تعریفوں کے پُل باندھنے لگے۔ اچانک بولے "آپ فرینک فرٹ گئے ہیں۔۔۔"، "نہیں"، "تو جائیں"، "کیوں"، "وہاں ہمارا کون ہے۔۔۔؟"، "اور اب تک جن ملکوں میں گئے ہیں، وہاں کون تھا۔۔۔؟" وہ بولے، "فرینک فرٹ میں سیر و تفریح، گلاب چہرے، حسین منظر، بلند عمارتیں۔ آپ کے قیام و طعام کا ذمہ ہمارا۔"(1)

سفر نامے کا آغاز کرتے ہی وہ گویا کمنٹری کرنے لگتے ہیں۔ سفر کی ایک ایک جھلک دکھاتے ہیں۔ جونہی اُن کی پہلی نظر نئے ملک پر پڑتی ہے وہ قارئین کو بھی اس جھلک میں شامل کر لیتے ہیں۔ استقبال پر آئے ہوئے افراد، ٹیکسی، راستہ، ہوٹل، اور پھر ہوٹل کا منظر، اُن کا شگفتہ اسلوب، گویا سفر کی عکس بندی کر دیتے ہیں۔ جب وہ جرمنی کے شہر فرینک فرٹ پہنچے تو کچھ اسی انداز میں وہاں کا منظر بیان کیا۔ ساتھ ہی ڈالر کی وہاں پر قدر کا ذکر کیا اور وہاں کی کرنسی کا اس کے ساتھ موازنہ کر کے ایک تقابل کی کیفیت پیدا کی۔ شہر کا چند جملوں میں تعارف بھی کرا دیا۔

قمر علی عباسی کے سفر نامے صرف معلومات کا ڈھیر نہیں ہوتے بلکہ جیتے جاگتے اشخاص کے ذکر اور ملاقاتوں کے ذریعے وہ اُن میں زندگی کی روح پھونک دیتے ہیں۔ وہ اپنے میزبانوں اور دوستوں سے قارئین کو ملواتے ہیں اور اُن کا مکمل تعارف ان کے سامنے رکھتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی انداز وہ فرینک فرٹ پہنچنے پر اپناتے ہیں اور سفر نامے میں میزبانوں کا تعارف کراتے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

"حیدر قریشی ماہیا کے ممتاز شاعر، سفر نامہ نویس، کالم نگار اور ادب و شاعری کے سب کچھ ہیں۔ ارشاد ہاشمی پاکستان، لندن اور فرینک فرٹ سے شائع ہونے والے روزنامے کے ایڈیٹر، کمپیوٹر کے ماہر۔۔۔ دونوں سے مل کر خوشی ہوئی۔ حیدر قریشی نے اپنی کتاب دی اور ہم نے دونوں کو سفر نامہ پیش کیا۔ شریف حسین آ گئے، ان سے بھی پہلی ملاقات تھی۔ ہمارے یار عزیز سید قیصر زیدی نے نیویارک سے فون پر رابطہ کرایا تھا۔"(2)

قمر علی عباسی جس ملک میں جاتے ہیں تو اُن کی دلچسپی وہاں کے قابلِ دید مقامات میں ہوتی ہے۔ وہ مختلف تفریح گاہوں، فطرت گاہوں اور تاریخ گاہوں کا رُخ کرتے ہیں اور اُن کا کونہ کونہ خود بھی دیکھتے ہیں اور قاری کو بھی اس سے روشناس کراتے ہیں۔ جرمنی میں خاص طور پر گوئٹے کا گھر اُن کی توجہ کا مرکز بنا۔ گوئٹے ایک بڑی ادبی شخصیت کے حوالے سے جانے جاتے ہیں جن کی قابلیت کے علامہ اقبال بھی قائل تھے اور ان کی عظمت کا انہوں نے اعتراف کیا ہے۔ قمر علی عباسی بڑے اشتیاق کے ساتھ اس کے گھر کو دیکھتے ہیں اور اس کی چھوٹی چھوٹی تفصیل کو سفر نامے میں شامل کرتے ہیں۔ گھر میں داخل ہوتے ہی مرجھائے ہوئے پھولوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اس گھر کی تاریخ پر اچٹتی سی نظر ڈالتے ہیں۔ وہاں پر موجود تحفے تحائف اور تصاویر کے بارے میں بتاتے ہیں۔ خاص طور پر انہوں نے گوئٹے کی ماں کے بارے میں تفصیلاً بتایا ہے۔ کچن کی تصویر دکھاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس گھر کی صورت میں تین سو سال قدیم تہذیب و ثقافت کی بھی بازیافت کرتے ہیں۔ اس وقت کے لوگوں کے طور طریقوں اور رہن سہن کے انداز کا اندازہ لگاتے ہیں۔ ساتھ ہی وہ اس کا موازنہ موجودہ دور کی ثقافت سے بھی کرتے جاتے ہیں۔ میوزک کا کمرہ، کمرے میں موجود سامان، اُس وقت کے لوگوں کا اندازِ زندگی اور سوچ سب کچھ بیان کرتے ہیں لیکن اس انداز میں کہ اُن کے اسلوب کی شگفتگی قائم رہتی ہے۔

"اب کچن کی باری آئی۔ ہم صبح سے بھوکے تھے۔ اس جگہ 225 سال پہلے کھانا پکایا جاتا تھا۔ آج کچھ بھی نہیں تھا۔ اتنا معلوم ہوا کہ اس باورچی خانے میں دو نوکرانیاں اور ایک خانساماں کام کرتا تھا اور گوئٹے کی ماں اُن کی نگرانی کرتی تھیں۔ اس سے یہ بات یقین میں بدل گئی کہ کوئی زمانہ ہو، اور خاتونِ خانہ کسی حیثیت کی ہوں، نوکروں کے سر پر سوار رہتی ہیں۔"(3)

سیر و سیاحت ہو اور کھانے کا ذکر نہ ہو، یہ ممکن ہی نہیں۔ قمر علی عباسی جہاں بھی جاتے ہیں کھانے کے متعلق معلومات اپنے مخصوص انداز میں ضرور دیتے ہیں۔ ہوٹلوں کے کھانے ہر علاقے کے مزاج کا پتہ دیتے ہیں لیکن کسی ملک کے روایتی کھانوں کی حقیقی تفہیم وہاں پر گھر کا کھانا کھا کر ہوتی ہے۔ جرمنی گئے تو وہاں کے کھانوں کو موضوع بنایا اور اپنی کھانے کی تفصیل ساتھ ساتھ دیتے گئے۔ ایک سیاح چٹخارے لے لے کر کھانے کا ذکر کرتا ہے اور پھر پاکستانی سیاح کو اپنے ملک کا ذائقہ دیارِ غیر میں مل جائے تو وہ اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ قمر علی عباسی یار باش انسان تھے۔ چنانچہ وہ جہاں بھی جاتے پاکستانی کمیونٹی اُن کی میزبانی کے لیے تیار ہوتی۔ اُن کی دعوتیں ہوتیں اور وہ بھی ان دعوتوں اور وہاں کے پکوانوں کا ذکر پوری دیانتداری سے کرتے۔ ان کے سفر ناموں میں اکثر مقامات پر یہ صورت حال نظر آتی ہے۔ فرینک فرٹ میں ایک گھریلو دعوت کا احوال وہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"شریف حسین کی بیگم شاہ جہاں نے کھانوں سے پوری میز بھر دی۔ اُن کا بیٹا باورچی خانے اور ڈائننگ ٹیبل کے درمیان بھاگ رہا تھا۔ شریف حسین کا اصرار تھا کہ نئی روٹی آتے ہی پرانی چھوڑ دیں۔ کھانے میں توری، کوفتے، اسٹو، سبزی، دال سب کچھ تھا۔ گرم روٹی اور ٹھنڈا پانی دنیا کی سب سے بڑی عیاشی ہے جس سے ہم لطف اندوز ہو رہے تھے۔"(4)

اکثر سیاحوں کی طرح قمر علی عباسی بھی جب کسی تاریخی مقام کی سیر کرتے ہیں تو اُس کی تاریخ کو ضرور بیان کرتے ہیں لیکن اُن کا یہ بیان سنجیدہ اور صرف معلوماتی نہیں ہوتا بلکہ اس میں اُن کا شگفتہ تبصرہ بھی شامل ہوتا ہے جو تاریخ کی سنجیدگی کو سفر نامے میں قارئین کے لیے گوارا بنا دیتا ہے۔ وہ تاریخی مقامات کو بھی ایک سیاح کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جب دیوارِ برلن دیکھنے گئے، جو مشرقی جرمنی کو مغربی جرمنی سے جدا کرتی ہے، تو اُن کی حسِ لطافت جاگ اُٹھی۔ وہ سیاحوں کی نفسیات کو واضح کرنے لگے کہ کس طرح وہ تاریخی مقامات کی مختلف چیزیں یادگار کے طور پر اُٹھالاتے ہیں۔ اگر اُن کا بس چلے تو وہ دیوارِ برلن کو بھی نہ بخشیں اور اس کی اینٹیں بھی اپنے ساتھ اٹھالائیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ جرمنی کی تاریخ کو بیان کرتے ہیں۔ لیکن اُن کا یہ بیان مختصر اور موقع محل کی مناسبت سے ہوتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

"دنیا میں جب پہلی جنگِ عظیم مسلط ہوئی، سب کچھ برباد ہو گیا۔ 1933 میں ہٹلر نے جرمنی کی کمان سنبھالی تو برلن نیشنل سوشلسٹ طاقت کا مرکز بن گیا۔ دوسری جنگِ عظیم شروع ہوتے ہی برلن کے لوگوں کے برے دن آ گئے۔ ہوائی حملوں نے برلن کے لوگوں کو مصیبت میں ڈال دیا۔ ہٹلر برباد ہو گیا۔ اتحادی فوجیوں کو فتح حاصل ہوئی۔ ہٹلر نے برلن کے ایک بنکر میں خودکشی کر لی۔"(5)

ایک سیاح جب سفر پر نکلتا ہے تو وہ نئے علاقوں کے بارے میں طرح طرح کے خواب لے کر جاتا ہے۔ کچھ اس کے دوست، تعلق دار بھی اُس کو قصے کہانیاں سناتے ہیں جس سے وہ ایک تاثر قائم کر لیتا ہے۔ لیکن سفر کی دنیا ایک عجیب دنیا ہوتی ہے۔ یہاں پر سب کچھ توقع کے مطابق نہیں ہوتا۔ سیاح کے خواب ٹوٹتے بھی ہیں اور اُس کو کئی جگہ خوابوں سے بھی بڑھ کر مل جاتا ہے۔ اس قسم کی صورت حال کو قمر علی عباسی بھی بیان کرتے ہیں اور اس میں بھی وہ لطف کا پہلو نکال لیتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ خواب تخلیق کرتے ہیں اور پھر منزل پر پہنچ کر یا راستے میں اُن خوابوں کی تعبیر ملتے ہوئے دکھاتے ہیں۔ مرا کو جاتے ہوئے انہیں بتایا گیا تھا کہ راستے میں فلائٹ ایمسٹرڈم رکے گی اور نو گھنٹے ان کے پاس ہوں گے جن میں وہ وہاں کی خوبصورت دنیا کا نظارہ کر سکیں گے۔ چنانچہ وہاں پہنچنے کی داستان وہ کچھ اس طرح سناتے ہیں:

"نیویارک میں احباب کو روانگی کی اطلاع کے ساتھ مرا کو سے زیادہ ایمسٹرڈم پر زور دیا تھا۔ ہم ہوائی اڈے سے باہر نکل کر کسی سیم تن کے ساتھ ٹیولپ کے کھیتوں میں گانے پہنچ جائیں گے۔ وہ ہمیں خوش نصیب سمجھ رہے تھے۔ یہاں ہوائی اڈے والے کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ہمیں ایمسٹرڈم کی ہوا تک لگنے نہیں دے رہے تھے۔"(6)

قمر علی عباسی اپنے سفر ناموں میں طبقہ نسواں میں خصوصی دلچسپی دکھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ مثالی حسن کی تلاش میں رہتے ہیں کیونکہ وہ سفر کرتے ہیں دنیا کا حسن دیکھنے کے لیے۔ البتہ اکثر مقامات پر انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خاص طور پر جب بڑی عمر کی خواتین سے اُن کا ہر مقام پر سامنا ہوتا ہے۔ ہوائی اڈے، سٹور یا کسی پبلک ڈیلنگ کے مقام پر ایسا ہوتا ہے تو اُن کے دل کو ٹھیس پہنچتی ہے اور اس کا وہ برملا طنزیہ و مزاحیہ انداز میں اظہار کرتے ہیں۔ اُن کو شکوہ ہے کہ اکثر مقامات پر ہوائی اڈے پر بڑی عمر کی خواتین کو ملازم رکھا جاتا ہے۔ اس کا مقصد وہ یہ بتاتے ہیں کہ یہاں پر مسافروں کو گھر کا ماحول ملے اور دعا دینے والی خواتین کی کمی محسوس نہ ہو۔ لیکن مصنف ہمیشہ ان آنٹی نما عورتوں سے شاکی رہتے ہیں کہ وہ کسی صورت بھی ہمدردانہ رویہ نہیں رکھتیں۔ جب ایمسٹرڈم کے ہوائی اڈے پر رُکے اور ایک آنٹی جی کو ٹکٹ دکھا کر کہا کہ انہیں ہوائی کمپنی کی طرف سے لنچ چاہیے تو اس نے صاف جواب دے دیا کہ نیویارک سے آنے والے مسافروں کو ٹرانزٹ میں لنچ نہیں دیا جاتا۔ ہوائی سفر کے دوران میں ائر ہوسٹس پر بھی وہ خصوصی نظر رکھتے ہیں۔ لیکن وہاں بھی انہیں اکثر مایوسی ہوتی ہے اور اس کا اظہار اپنے مخصوص مزاحیہ انداز میں کرتے ہیں۔

"ہوائی سفر میں ہماری کوشش ہوتی ہے، کونے کی سیٹ ملے۔ دشمن ہوائی اڑاتے ہیں، ہم یہ سیٹ اس لیے پسند کرتے ہیں کہ آتی جاتی ائر ہوسٹس کو کہنیاں ماریں۔ حالانکہ دو دھائی سے زیادہ ہوئے ہوائی کمپنیوں والوں نے ٹکٹ کا نرخ بڑھایا اور ائر ہوسٹس کا حسن کا معیار گرایا ہے۔ دورانِ سفر انہیں دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ ہمارے ساتھ ائر ہوسٹس کی عمر بھی بڑھ رہی ہے۔ ایسے میں کہنی تو کیا ہاتھ مارنے کو دل چاہتا ہے، اپنے ماتھے پر۔"(7)

مصنف مرا کو کے شہر رباط پہنچتے ہیں۔ وہاں کا حال تمام جزیات کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ گائیڈ سے ملنا، ہوٹل میں ٹھہرنا، کھانا اور جوسز وغیرہ سے پیٹ بھرنا، یہ سب تفصیل اُن کے ہاں حسبِ معمول موجود ہوتی ہے۔ گائیڈ کا تعارف وہ خصوصی طور پر کراتے ہیں۔ پھر وہ شہر کی سیر کو نکلتے ہیں تو جو جو چیز دیکھتے جاتے ہیں، اُس پر کمنٹری کرتے جاتے ہیں۔ وہ شہر کے بارے میں مکمل معلومات دیتے ہیں۔ وہاں کی عمارتوں اور طرزِ تعمیر کا تعارف کراتے ہیں، وہاں کے دفاتر، مارکیٹیں، وہاں کا طرزِ زندگی، سب کچھ سفر نامے میں موجود ہوتا ہے۔ لیکن اِن معلومات میں بھی سنجیدگی کا عنصر کم رہتا ہے اور کوئی نہ کوئی مزاح کا پہلو نکال لیتے ہیں جس سے قاری کے چہرے پر مسکراہٹ آ جاتی ہے۔ کیسا بلانکا کا تعارف اس انداز میں کراتے ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

"کوچ روانہ ہوئی تو کیسا بلانکا ہر طرف پھیل گیا۔ یہ مراکو کا معاشی شہر ہے۔ بڑی سڑکیں، پھیلے ہوئے چوراہے، ہوا سے جھومتے پام کے درخت، صاف ستھری سفید رنگ کی عمارتیں، اس شہر میں مرد عورتیں اور شہروں کے مقابلے میں زیادہ نزدیک آسکتے ہیں۔ افسوس ہمارے نزدیک کوئی نہیں آیا۔ کیسا بلانکا والوں کی بدقسمتی۔"(8)

درحقیقت قمر علی عباسی دیگر سفر نامہ نگاروں کے برعکس کسی بھی علاقے کی معلومات کی فراہمی کے بجائے وہاں کے مشاہدات کو سفر نامے میں شامل کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ سفر نامے کے حالات وواقعات کو بیان کرتے جاتے ہیں اور اُن کی توجہ زیادہ تر اشخاص کی طرف ہوتی ہے۔ وہ جس بھی شہر میں جاتے ہیں وہاں زندگی ڈھونڈتے ہیں۔ زندہ لوگوں سے ملاقات کراتے ہیں، اُن کے ساتھ قہقہے لگاتے ہیں اور قارئین کو بھی قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ گویا اُن کا مقصد قارئین کو معلومات دینے کی بجائے اُن کو علاقوں کی سیر کرانا ہوتا ہے اور سیر سنجیدہ رہ کر نہیں کی جاتی بلکہ سیر سے لطف اندوز ہوا جاتا ہے اور یہ بات قمر علی عباسی کو معلوم ہے۔ چنانچہ ان کے سفر نامے پڑھ کر واقعی لطف آتا ہے۔ اپنے سفر نامے "لندن لندن" کے سرورق پر انہوں نے اس چیز کو درج کیا ہے۔

"سفر نامہ "لندن لندن" جدید انداز کا ایک کامیاب سفر نامہ ہے۔ جس میں تاریخ کی بجائے افراد اور معلومات کی بجائے مغرب کی مجموعی فضا سے روشناس کرانے کی کوشش کی ہے۔ سفر نامہ کے باذوق قارئین یقیناً "لندن لندن" کے مطالعے سے گھر بیٹھے لندن کی سیر کر لیں گے۔"(9)

دنیا کے بڑے شہروں میں ایک مسئلہ جو اکثر سیاحوں کو درپیش رہتا ہے وہ وہاں پر راستہ بھٹک جانا ہے۔ ایک تو ان شہروں کے راستے ایک خاص تناسب سے بنے ہوتے ہیں اور دوسرا ایک جیسے ہوتے ہیں۔ یہ مسئلہ خاص طور پر جاپان کے شہر ٹوکیو میں بہت زیادہ ہے جس کا ذکر ابنِ انشا نے اپنے سفر ناموں میں کیا ہے۔ لندن بھی بہت بڑا شہر ہے اور یہاں بھی بھٹکنے کے چانسز بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ قمر علی عباسی کو بھی ایسا ہی مسئلہ پیش آیا جب وہ پکاڈلی سرکس کے علاقے سے اپنے ہوٹل آرہے تھے تو صرف ایک موڑ غلط مڑنے سے گویا اُن کی دنیا ہی الٹ گئی اور وہ شہر میں مارے مارے پھرتے رہے۔ وہاں راستہ بتانے والا ہی کوئی نہیں تھا۔ جن لوگوں سے راستہ پوچھا وہ خود دوسرے ممالک کے تھے۔ یا تو اُن کو راستے کا علم نہیں تھا یا ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔

"واپسی میں صرف ایک سڑک غلط مڑ گئے اور یوں سمجھیں قیامت آگئی۔ سارے برطانیہ والے اپنے گھروں میں چھپ گئے۔ جس سے راستہ پوچھا، انکار۔ کوئی برازیل کا، کوئی فرانس کا، کوئی جرمنی کا۔ برطانیہ والے کہاں گئے کچھ پتہ نہیں چلا۔ سپاہی بھی چھٹی کر گئے۔ دیواروں، گرجوں اور پارکوں سے ٹکراتے، انگریز قوم پر غصہ اور اپنی ٹانگوں پر رحم کھاتے دو گھنٹے بعد ہوٹل واپس پہنچے تو توبہ کر لی کہ آئندہ جائیں گے تو ادھر ادھر نہیں بھٹکیں گے۔"(10)

سفر ناموں کی ایک خوبی یہ ہوتی ہے کہ ان کے ذریعے دوسرے علاقوں کی تہذیب وثقافت، رہن سہن اور آدابِ معاشرت سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ یہ کسی بھی علاقے کے لوگوں کے طرزِ زندگی کو سمجھنے کا بہترین ذریعہ ہوتے ہیں۔ قمر علی عباسی بھی جہاں جاتے ہیں اُن کی توجہ کا مرکز وہاں کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ اُن سے ملتے جلتے ہیں، بات چیت کرتے ہیں، اُن کی نفسیات کو سمجھتے ہیں اور اُن کی عادات واطوار کا جائزہ لیتے ہیں۔ پھر اپنے مشاہدات کو سفر نامے کا حصہ بناتے ہیں۔ لیکن اُن کا یہ تہذیب ومعاشرت کا بیان اپنے اندر کوئی معلوماتی سنجیدگی نہیں لیے ہوئے ہوتا۔ وہ ہر بات میں مزاح کا پہلو بھی نکال لیتے ہیں اور ہنسی مذاق میں معاشرے کے سنجیدہ معاملات کو بیان کر جاتے ہیں۔

برطانیہ کے لوگوں کے آدابِ زندگی کو انہوں نے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ ایک تو ان کا اندازِ بیان بہت لطیف ہوتا ہے، دوسرے اس میں لطیفے شامل کر کے اس کو مزید دلچسپ بنا دیتے ہیں جس سے قاری کو ہنسی ہنسی میں اچھی خاصی معلومات مل جاتی ہیں۔

"برطانیہ میں کہیں بھی جایئے، جہاں ایک سے دوسرا آدمی، لائن لگ گئی۔ لائن سے خریدنے کے بارے میں ایک لطیفہ مشہور ہے کہ برطانیہ میں نسلی فسادات شروع ہوئے تو گوروں نے کالوں کے سٹور اور گھر بھی لوٹے لیکن اس طرح جس طرح جاپان میں ڈاکو گھر میں داخل ہوتے وقت جوتے اتار دیتا ہے، اسی طرح لوٹنے والوں نے قطار لگائی۔"(11)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

"ماریشس میں دھنک" ان کا ماریشس کا سفر نامہ ہے۔ وہ وہاں اُردو کانفرنس میں شرکت کے لیے گئے۔ چنانچہ اس سفر نامے میں وہ اپنے سفر کے حالات کے ساتھ کانفرنس میں شرکت کرنے والے پاکستان، ہندوستان اور دیگر ممالک کے اکابرین کا بھرپور تعارف کراتے ہیں۔ خاص طور پر پاکستانی ادیب جو اُن کے ہم سفر تھے اُن کے مزاج پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے ساتھ اُن کے ادبی کارناموں کا ذکر کرتے ہیں اور پھر ساتھ ہی اپنے سفر ناموں کی پذیرائی کو بھی بیان کرتے ہیں۔ وہ کانفرنس میں جانے کا مکمل احوال بیان کرتے ہیں۔ کانفرنس کے آغاز اور مختلف مقررین کی آمد کا حال بیان کرتے ہیں۔ ان کی تقاریر اور مقالات کے بارے میں آگاہی فراہم کرتے ہیں۔ اُن کا سفر نامہ اس کانفرنس کی مکمل روداد پیش کرتا ہے۔ ساتھ ہی وہ شرکا کا تعارف کراتا ہے۔ لیکن یہاں بھی اُن کی تحریر کی شوخی قائم رہتی ہے اور وہ بات کو سنجیدہ اور بور کن نہیں ہونے دیتے۔

> "کانفرنس کا مقصد اور اُردو کی ترقی کے منصوبے بتائے گئے۔ ہندوستانی وفد کے سربراہ سکندر بخت بولنے آئے تو بھول گئے کہ وہ کیرالہ میں نہیں ماریشس میں ہیں۔ اُن کی تقریر تقسیم بھی کی گئی تھی۔ وہ اس سے زیادہ بولے۔ سکندر بخت کیرالہ کے گورنر ہیں۔ ہمیں وہاں کے لوگوں سے ہمدردی ہونے لگی۔ ہو سکتا ہے گورنر کو اپنے صوبے میں بولنے کا موقع نہ ملتا ہو۔ آج ساری کسر نکال دی۔"(12)

"ہندوستان ہمارا ہے" ہندوستان کی سرزمین کے سفر کی کہانی پر مشتمل سفر نامہ ہے۔ اس سفر نامے میں وہ ہندوستان کی سرزمین کو ایک خاص جذبے سے دیکھتے ہیں۔ اگرچہ یہاں بھی اپنی شگفتہ مزاجی کو قائم رکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی ایک عقیدت کا انداز بھی نظر آتا ہے۔ خاص طور پر نظام الدین اولیا اور شیخ سلیم چشتی اور دیگر اکابرین اور بزرگ ہستیوں کے مزاروں پر جاتے ہیں اور اپنی عقیدت اور اُن کی عظمت کو بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ تاریخی مقامات پر جاتے ہیں تو تاریخی شخصیات اُن کی نگاہوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ وہ تاریخ کے جھروکوں میں جھانکنے لگتے ہیں۔ تاریخ کو بیان کرتے ہیں، بادشاہوں کا جاہ و جلال اور اُن کی عوامی خدمات کا ذکر کرتے ہیں۔ جنگی حالات اور جنگی چالوں کو بیان کرتے ہیں۔ اس طرح تاریخی حقائق کو دلچسپ انداز میں بیان کر کے قاری کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اس میں سیر و سیاحت کا عنصر بھی شامل رکھتے ہیں۔

> "فتح پور سیکری مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر نے 1559 میں شیخ سلیم چشتی کی عقیدت میں تعمیر کرایا تھا۔ آگرہ کے ساتھ یہ بھی بادشاہ کی رہائش تھا۔ پھر پانی کی کمی کی وجہ سے اکبر بادشاہ آگرہ منتقل ہو گیا۔ شہر انسانوں سے خالی ہو گیا۔ عمارتیں وفادار ہوتی ہیں۔ آج بھی اسی طرح ہیں۔ اجاڑ، ویران، اپنے دامن میں ان گنت دکھ چھپائے۔ سیاح آتے ہیں، دیکھتے ہیں، تصویر اتارتے ہیں، اور چلے جاتے ہیں۔"(13)

قمر علی عباسی جہاں بھی جاتے ہیں کھانے کی تفصیل ساتھ ساتھ بتاتے جاتے ہیں۔ وہ مختلف علاقائی کھانوں کا تعارف بھی کراتے ہیں۔ ہندوستان کے سفر نامے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں کے کھانے اور پاکستانی کھانے میں کوئی خاص فرق نہیں۔ اس لیے وہ جب بھی وہاں کھانے کا ذکر کرتے ہیں تو اپنے وطن کے پکوان ضرور یاد آجاتے ہیں۔ وہ کراچی کے حاجی جی کی ربڑی کو یاد کرتے ہیں اور اُس کی خصوصیات گنواتے ہیں۔ اس طرح ہندوستانی اور پاکستانی کھانوں کا تقابل کر کے اُن کی خصوصیات سامنے لاتے ہیں۔ آگرہ شہر ایک روایتی شہر ہے۔ جو بادشاہوں کا مسکن رہا ہے۔ یہاں کے کھانے اپنی انفرادیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی خصوصیات اور یہاں کی سوغات پر بھی خصوصی توجہ دی ہے۔

> "اس شہر کا پیٹھا اور دال موٹھ ایک عالم میں مشہور ہے۔ لوگ فرمائش کرتے ہیں۔ آگرہ آنے والے یہ سوغات اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ آگرہ میں گوپال کا پیٹھا اور بھیم سنگھ کی دال موٹھ مشہور ہے۔"(14)

ہندوستانی اور پاکستانی کھانے کی خوشبو کی تلاش میں وہ یورپ میں بھی سرگرداں رہتے تھے۔ چنانچہ اپنے سفر نامے "واہ برطانیہ" میں انہوں نے انگلینڈ میں ان خوشبوؤں کا ذکر کیا ہے۔ وہ ہندوستانی ہوٹلوں اور کھانوں کی تلاش میں برطانیہ کے دیہاتوں تک میں نکل جاتے اور آخر ان کی تمنا پوری ہوتی جب وہ ہندوستانی کھانوں کے ہوٹل تلاش کر لیتے۔ برِصغیر کے لوگ دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں۔ اس لیے اُن کے مصالحے دار کھانے بھی ہر جگہ پہنچے ہوئے ہیں۔ اب تو اہلِ یورپ بھی ان کھانوں کے عادی ہوتے جا رہے ہیں۔

> "ہم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ برطانیہ کی سرزمین پر بریانی اور قورمہ ہر جگہ ملے گا اور ایسا ہی ہوا۔ انگریز پلاؤ کھا رہا تھا اور ہم کیوڑے سے مہکتی، پستے بادام اور کاجو سے سجی، چکن کی بوٹیوں سے بھری، خوش ذائقہ بریانی اڑاتے تھے۔"(15)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

قمر علی عباسی نے اُردو سفر نامے میں نئی روایت قائم کی۔ یہ شگفتگی اور لطافت کی روایت ہے۔ انہوں نے سفر نامے کو واقعی سیاحت نامہ بنادیا ہے۔ اُن کے سفر نامے پڑھ کر قاری کو حقیقی تفریح حاصل ہوتی ہے۔ اُن کے سفر نامے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ شوقِ سفر ہی ہے جو اُن کو دنیا بھر کی سیر کراتا پھرتا ہے۔ لیکن وہ یہ سیر اکیلے نہیں کرتے بلکہ اپنے قاری کو بھی اپنا ہم سفر بنالیتے ہیں۔ اُن کے سفر نامے اُردو سفر نامے کی روایت میں ایک خوبصورت اضافہ ہیں اور یہ بعد میں آنے والی سفر نامہ نگاری کے لیے راہیں متعین کرتے ہیں۔

حوالہ جات

(1) قمر علی عباسی، اور دیوار گر گئی، کراچی، ویلکم بک پورٹ، 2003، ص8
(2) ایضاً، ص15
(3) ایضاً، ص19
(4) ایضاً، ص32
(5) ایضاً، ص61
(6) قمر علی عباسی، صحرا میں شام، کراچی، ویلکم بک پورٹ، 2002، ص17
(7) ایضاً، ص21
(8) ایضاً، ص31
(9) قمر علی عباسی، لندن لندن، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1986، سرورق
(10) ایضاً، ص16
(11) ایضاً، ص25
(12) قمر علی عباسی، ماریشس میں دھنک، کراچی، ویلکم بک پورٹ، 2004، ص43
(13) ایضاً، ہندوستان ہمارا ہے، کراچی، ویلکم بک پورٹ، 2009، ص47
(14) ایضاً، ص71
(15) قمر علی عباسی، واہ برطانیہ، کراچی، فضلی سنز، 1997، ص73